R. No. 2186/57
Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone - 29
Annual Rs. 4/-
Per Copy - 12 P

جلد ۲۶ - شمارہ ۲۱ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جون ۱۹۶۷ء

اداریہ

جواہر لال نہرو کی یاد میں

۲۷ مئی ۱۹۶۷ء کو جواہر لال نہرو کے انتقال کو تین سال ہو گئے۔ جب تک وہ زندہ تھے ہندوستانیوں کو اعتماد تھا کہ کوئی مسئلہ بھی پیدا ہو جواہر لال نہرو اسے حل کر لیں گے۔ کوئی اختلاف پیدا ہو تو اسے دور کر دیں گے، کوئی آفت آ جائے تو اس کا مردانگی سے مقابلہ کر لیں گے۔ باہر کی دنیا کو خیال تھا کہ ہندوستان اپنے اصولوں پر چلے گا، کسی گروپ میں شامل نہ ہوگا، امن عالم کے لیے جد و جہد جاری رکھے گا اور کہیں کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو جائے تو اسے سلجھانے کے لیے اس کی خدمات موجود رہیں گی۔ آج حالات بدل گئے ہیں، ملک میں گرانی بڑھ گئی ہے غذائی صورت حال نازک ہے، روپے کی قیمت گر رہی ہے، تشدد بڑھ رہا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ہنگامے ہو جاتے ہیں۔ طلبا میں ڈسپلن نہیں۔ حکومت کے ملازم یہاں تک کہ پولیس بھی احتجاجی کارروائی سے نہیں چوکتی۔ ایک عام بے چینی اور خلش ہے۔ چوتھے عام چناؤ میں ایک طرف مرکز میں کانگریس کی طاقت گھٹی ہے دوسری طرف کئی ریاستوں میں غیر کانگریسی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں۔ مگر مدراس، کیرل، اڑیسہ اور مغربی بنگال کو چھوڑ کر باقی غیر کانگریسی حکومتیں زیادہ مستحکم نہیں ہیں کیونکہ ایک یا دو پارٹیوں یا صرف دائیں یا صرف بائیں بازو کی پارٹیوں نے نہیں بنائیں بلکہ کبھی مختلف مسلک رکھنے والوں ایک فوری سمجھوتے کی بنا پر وجود میں آئی ہیں۔ باہر کی دنیا میں بھی ہندوستان کی ساکھ گری ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صدر کے انتخاب نے ثابت کر دیا ہے کہ کانگریس اب بھی خاصی طاقتور ہے اور اگرچہ ایک مسلمان کا امیدوار بنائے تو وہ بھی صدر جمہوریہ ہو سکتا ہے اور اس کا باہر کی دنیا پر اچھا اثر ہوا ہے، مگر غذائی صورت حال، آئے دن کے ہنگاموں اور مغربی طاقتوں کا بڑھتا ہوا اثر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کی وہ ساکھ نہیں رہی جو پہلے تھی۔

کچھ لوگ ان حالات کی ذمہ داری جواہر لال نہرو پر رکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ چین کے حملے کے بعد جواہر لال نہرو کی صحت اچھی نہیں رہی، حالات پر ان کی گرفت بھی کچھ ڈھیلی ہو گئی۔ انھوں نے بعض معاملات میں ایک مضبوط رویہ اختیار نہیں کیا۔ اور بعض ایسے ساتھیوں کے معاملے میں جن کے خلاف شکایات تھیں غیر ضروری نرمی برتی۔ مگر مجموعی طور پر جواہر لال نہرو کے اصول اور ان کا طریقۂ کار آج بھی ہمارے لیے بڑی معنویت رکھتا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان اصولوں کو اور ان کے طریقۂ کار کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دراصل ہم ہندوستانیوں میں خرابی یہ ہے کہ جذباتیت سے نہیں نکل سکے۔ جب جواہر لال نہرو زندہ تھے تو وہ ایک دیوتا کی مانند تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان کی مخالفت کرتا۔ اب وہ نہیں ہیں اور ملک مشکلات سے دوچار ہے تو ہم سہل پسندی سے کام لیکر ساری مشکلات کی ذمہ داری جواہر لال نہرو پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارا ملک قدیم سہی، مگر ہماری قوم نو عمر ہے۔ ہمارے یہاں قومیت کا تصور ابھی دلوں میں جاگزیں نہیں ہوا ہے۔ ہم نے جمہوریت کو اپنایا ہے مگر جمہوریت کا مزاج پیدا نہیں کیا۔ ہم نے سیکولرزم کو قبول کیا مگر ہم صحیح معنی میں سیکولر نہیں ہو سکے۔ ہم نے سوشلزم کو منزل مقصود اوپری دل سے مان لیا ہے مگر اس کے لیے جو اقدامات کرنے چاہئیں ان سے گھبراتے ہیں۔ جواہر لال نہرو کا ذہن صاف تھا، منزل مقصود پر ان کی نظر تھی، راستے کی دشواریوں کا بھی انھیں علم تھا۔ وہ آمریت کے خلاف تھے حالانکہ چاہتے تو من مانی کر سکتے تھے مگر وہ جمہوریت کے راستے کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ وہ ذہنوں کو بدلنا چاہتے تھے اور انھوں نے ذہن بدلے بھی۔ ان کے راستے میں بڑی دشواریاں تھیں۔ ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور اس میں ہر طرح کے لوگ ہیں اور خاصے بڑے بڑے فرق ہیں۔ سب کو ساتھ لینا اور ایک راستے پر چلانا آسان کام نہیں۔ پھر ہم ابھی تک ازمنۂ وسطیٰ کا ذہن رکھتے ہیں جدید ذہن صرف اوپر اوپر ملتا ہے۔ جواہر لال نے اس جدید ذہن کو عام کرنا چاہا اور اس میں انھیں کامیابی بھی ہوئی۔ انھوں نے جو خواب دیکھے تھے انھیں حقیقت بنانے کی کوشش بھی کی اور اس میں بھی انھیں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہوئی۔ زیادہ کامیابی اس وجہ سے نہ ہوئی کہ ازمنۂ وسطیٰ کے ذہن کو جدید بنانا اتنا آسان نہیں ہے،

جتنا لوگ سمجھتے ہیں خاص طور سے جب کہ تقاضا کا جمہوریت کا جو مزاکامرت کا۔ جواہرلال نے جو عرصے ہندی سے علیحدہ رکھنے کی پالیسی بنائی وہ آج بھی صحیح ہے۔ انھوں نے جمہوریت اور سیکولرزم پر جو زور دیا اس پر بھی کوئی محب وطن اعتراض نہیں کرسکتا۔ ان کا منصوبہ بندی کا تصور بھی صحیح تھا۔ ہاں منصوبہ بندی زیادہ حقیقی ہونی چاہیے تھی۔ ہمارا صنعتی دور میں قدم رکھنا بھی غلط نہیں تھا ہاں زراعت پر بھی توجہ ضروری تھی قومی یک جہتی صنعتی ترقی کے ذریعے سے مضبوطی، پوری تاریخ کا تصور اور مشترک تہذیب پر اصرار بھی درست تھا۔ ہمیں ان چیزوں کو چھوڑنا نہیں ہے بلکہ اور مضبوطی سے پکڑنا ہے اور ان سب چیزوں کے راستے میں ہر دشواری کو دور کرنا ہے۔ جواہرلال نہرو کی پالیسی آج بھی ملک کے لیے سب سے بہتر ہے۔ ہاں اس پر عمل کرنے کے لیے عوام سے وہی بے پناہ محبت، ذات پات سے، مذاہب کے اختلاف سے علاقوں کی پاسداری سے وہی بلندی درکار ہے جو جواہرلال میں تھی۔ جواہرلال کہتے تھے کہ آرام حرام ہے۔ ہمیں محنت کی عادت ڈالنی ہے، اپنے مفاد کے ساتھ ملک کے مفاد کو ملحوظ رکھنا ہے، نفرت کی جگہ محبت کو اپنانا ہے، اپنے پر اور ملک پر اعتماد بحال کرنا ہے۔ جواہرلال فرشتہ نہ تھے وہ آدمی تھے۔ ان میں بھی کمزوریاں تھیں۔ مگر انھوں نے ملک کو بہت کچھ دیا ہے۔ وہ ہماری جمہوریت کے معمار اعظم ہیں۔ ان کی یاد ان کے اصولوں پر چلنے کے لیے ولولہ عطا کرتی ہے، ان کی نظر کا حوصلہ دیتی ہے، ان کی سی خدمت پر اکساتی ہے اس کے سہارے ہم اپنی موجودہ مشکلات کو دور کرسکتے ہیں اور ملک کو ترقی اور خوش حالی کی طرف لے جاسکتے ہیں۔ زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ فطرت برابر ہماری طاقتوں کا امتحان لیتی ہے۔ اس لیے موجودہ دشواریوں سے ڈر کر ہمیں گاندھی اور جواہرلال کے راستے کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اور عزم و اعتماد سے اس پر گامزن ہونا چاہیے۔ اس میں ہماری اور ملک کی نجات ہے۔ ہمارے مسائل کا حل جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کے فروغ میں ہے وہ لسانی مسائل ہوں یا غذائی مسائل یا دفاع کے مسائل سب انھیں اصولوں کی روشنی میں حل ہوسکتے ہیں اس لیے ان اصولوں پر اور مضبوطی سے جم جانا چاہیے اور ان کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے یہی جواہرلال نہرو کی خدمات کا بہترین اعتراف ہے اور یہی ملک کی نجات کا راستہ۔

شاہد احمد دہلوی کا انتقال

یہ خبر ادبی حلقوں میں نہایت غم اور افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے ممتاز ادیب، صحافی، انشا پرداز شاہد احمد دہلوی ایڈیٹر ماہنامہ ساقی کا حرکت قلب بند ہو جانے سے ۲۰ مئی کو کراچی میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی عمر ۶۱ سال تھی، ان کا شمار اردو کے ممتاز ترین ادیبوں اور صحافیوں میں ہوتا تھا۔ وہ موسیقی کے بھی بہت بڑے ماہر تھے۔ ان کا تعلق دہلی کے ممتاز خاندان سے تھا۔ مرحوم اردو کے مشہور ادیب ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے تھے۔ ادارہ ہماری زبان پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

آل انڈیا یونیورسٹی اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کی سالانہ کانفرنس

شعبہ اردو جموں کشمیر یونیورسٹی کی دعوت پر آل انڈیا یونیورسٹی اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کی دوسری سالانہ کانفرنس سری نگر میں ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ جون کو منعقد ہو رہی ہے۔ کانفرنس میں ملک کی تینتیس یونیورسٹیوں کے دو سو نمائندوں کی شرکت متوقع ہے کانفرنس کا افتتاح پروفیسر عبدالقادر سروری فرمائیں گے اور خطبۂ استقبالیہ پروفیسر ایم۔ ایم بیگ دیں گے۔ کانفرنس کو مندرجہ ذیل پانچ شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے

۱۔ یونیورسٹی کے معیار پر اردو کے ذریعہ تعلیم و تدریس کے مسائل۔
۲۔ اردو میں کلاسیکل ٹکسٹ کی تحقیق متن کے مسائل۔
۳۔ اردو میں ترجموں کے مسائل
۴۔ ۱۹۶۶ء کے ایجوکیشن کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں اردو کے مسائل۔
۵۔ اردو اور دوسری علاقائی زبانیں۔

حیدرآباد میں ادبی ٹرسٹ کا قیام

حیدرآباد میں گذشتہ سال ایک ادبی ٹرسٹ قائم کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ کتابوں کی خرید و فروخت اور اشاعت کے علاوہ ادیبوں اور شاعروں کی امداد بھی کی جائے۔ اس مقصد کے لیے دوسرا سالانہ مشاعرہ اس سال منعقد کیا گیا جس سے ۱۲ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی۔ گذشتہ سال یہ ٹرسٹ چھ ہزار روپیہ سے شروع ہوا تھا اب چالیس ہزار تک پہنچ گیا ہے۔ (عابد علی خاں)

ہندی اردو سنسکرت کی ادبی تصانیف پر انعام دینے والی کمیٹی کے نئے چیرمین

بنارس۔ پتہ چلا ہے کہ حکومت یوپی مسٹر سمپورنانند کی جگہ پر کاشی ودیاپیٹھ کے مسٹر راجا رام شاستری کو ہندی، اردو اور سنسکرت کی تصانیف پر انعامات کی سفارش کرنے والی کمیٹی کا چیرمین مقرر کیا ہے۔ مسٹر سمپورنانند نے اس کمیٹی سے خرابی صحت کی بنا پر استعفا دے دیا ہے۔ (قومی آواز)

شاعری کی تربیت کے لیے ادارہ

لکھنؤ۔ معلوم ہوا ہے کہ جگر میموریل کمیٹی مشہور و معروف شاعر جگر مرادآبادی کی یاد میں گونڈا میں ایک ادارہ قائم کرے گی جس میں شعرا کو تربیت دی جائے گی۔ جگر صاحب نے اپنی زندگی کے آخری چند سال گونڈہ میں گزارے تھے۔

انجم آرا انجم

لفظ 'لغت' کی تذکیر و تانیث

"لغت" اصلاً عربی زبان کا لفظ ہے۔ فارسی میں بھی عربی ہی سے آیا۔ اس لفظ کے اصل معنی ان آوازوں کے ہیں جنھیں انسان اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لیے اپنی زبان اور حلق سے ادا کرتا ہے چنانچہ "لغت" میں اس لفظ کو کہتے ہیں جسے کسی بھی معنی کے ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہو۔ زبان الفاظ سے ہی بنتی ہے اس لیے لغت کے معنی زبان کے بھی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر کیونکہ اصطلاح مختلف انسانی جماعتوں اور گروہوں کی مخصوص زبان سے ہی عبارت ہے اس لیے لغت کا ایک مفہوم یہ بھی قرار پایا کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو کسی خاص گروہ کی اصطلاح بن جائیں اور ان کے معنی عام طور پر معلوم اور مشہور نہ ہوں۔ "علم لغت" اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں مفرد الفاظ کے معنی کا بیان کیا جائے۔ لغت کا لفظ مذکورہ بالا سارے معانی کے لیے عربی اور فارسی دونوں میں یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ فارسی تو افعال کی تذکیر و تانیث سے بے نیاز ہے تاہم عربی میں مذکورہ سارے معانی میں یہ لفظ مونث ہی استعمال ہوتا ہے۔

فرہنگ اور ڈکشنری کے مفہوم میں یہ لفظ نہ عربی میں استعمال ہوتا ہے اور نہ فارسی میں فرہنگ کے لیے عربی میں قاموس، معجم، کتاب اللغۃ وغیرہ اور فارسی میں فرہنگ، کتاب لغت، قاموس لغت، لغت نامہ وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ ڈکشنری کے مفہوم میں لفظ "لغت" خالص اردو لفظ ہے۔ عربی فارسی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس مفہوم میں اردو میں اس کا استعمال بہت زیادہ عرصے کی بات نہیں۔ غالب نے "لغت" کو ہر جگہ اس کے اصل عربی معنی میں استعمال کیا ہے یعنی "الفاظ" کے لیے، کسی ایک جگہ بھی ڈکشنری کے مفہوم میں نہیں لیا۔ اس کے لیے وہ لفظ "فرہنگ" لاتے ہیں سرسید کی تحریروں میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ البتہ شبلی اور حالی دونوں کے یہاں یہ لفظ ڈکشنری کے معنی میں مل جاتا ہے۔

یہ نہ صرف ایک دلچسپ بلکہ تذکیر و تانیث کا فیصلہ کرنے کے بارے میں بھی ایک نہایت اہم سوال ہے کہ "لغت" کا لفظ اردو میں فرہنگ کے مفہوم میں کیسے استعمال ہونے لگا۔ اس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ فرہنگ کے لیے عربی اور فارسی میں "کتاب اللغۃ" یا "کتاب لغت" و "کتاب لغات" کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اور ان کا مطلب ہوتا تھا "وہ کتاب جس میں کسی زبان کے الفاظ اپنے معانی کے ساتھ دئے گئے ہوں"۔ فارسی اور عربی کی پیروی میں اردو میں بھی "کتاب لغت" یا "لغت یا لغات کی کتاب" کے الفاظ کا استعمال شروع سے فرہنگ کے معنی میں ہوتا رہا۔ مثال کے طور پر سرسید نے لکھا ہے "قاموس میں جو لغت عرب کی کتاب ہے" (تفسیر السموات) "لغت کی کتاب" "لغات کی کتاب" "کتاب لغت" یا "کتاب لغات" جیسے الفاظ میں "لغت و لغات" اپنے اصل عربی مفہوم (یعنی الفاظ) میں ہی استعمال ہوئے ہیں۔ بعد میں کثرت استعمال سے "کتاب" کا لفظ جو مضاف ہے حذف ہو گیا جیسا کہ کثرت سے ہوا ہے اور ہوتا ہے اور صرف "لغت" یا "لغات" رہ گیا تاہم مفہوم وہی برقرار رہا اور اس شکل میں اب یہ لفظ اردو زبان کا لفظ بن گیا۔ لفظ "کتاب" کے حذف ہونے کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ ہم آج بھی "لغت کی کتاب" تو کہہ سکتے ہیں مگر "فرہنگ کی کتاب" یا "ڈکشنری کی کتاب" نہیں کہہ سکتے کیونکہ فرہنگ ہو یا ڈکشنری دونوں میں اصلاً کتاب کا مفہوم شامل ہے یعنی فرہنگ یا ڈکشنری کہتے ہی اس کتاب کو ہیں جس میں کسی زبان کے الفاظ مع معنی دئے گئے ہوں۔ لیکن لفظ "لغت" میں کیونکہ اصلاً کتاب کا مفہوم شامل نہیں اس لیے "لغت کی کتاب" کہنا صحیح ہوگا۔ لیکن اس صورت میں لغت کا لفظ اردو لفظ کے طور نہیں بلکہ اپنے اصل عربی مفہوم میں استعمال ہوگا۔ دوسرا قرینہ لفظ "کتاب" کے حذف ہونے کا یہ ہے کہ ہم اردو میں صرف "لغت" کا ہی نہیں بلکہ "لغات" کا بھی استعمال کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ "لغات" جمع ہے "لغت" کی اس لفظ کا استعمال ڈکشنری کے معنوں میں اسی وقت درست سمجھا جا سکتا ہے جب ہم اس بات کو مانیں کہ "لغات" کا لفظ اپنے اصل عربی معنی میں یعنی الفاظ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اور اس میں سے "کتاب" کے لفظ کو حذف کر دیا گیا ورنہ ڈکشنری کے لیے "لغات" کا لفظ بولنا جو جمع کا صیغہ ہے اور کسی دوسری توجیہ کے ذریعہ صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا

اب جب کہ یہ لفظ اپنے نئے مفہوم کے اعتبار سے عربی یا فارسی نہیں رہا بلکہ ایک نیا اردو لفظ بن گیا تو اس کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ صرف اس امر سے نہیں ہو سکتا کہ یہ لفظ اصلاً (یعنی عربی میں) مونث ہے اس لیے اردو میں بھی مونث ہی استعمال کیا جائے گا۔ جیسے اردو زبان کا ذوق ہے وہ یہ جانتا ہے کہ وہ الفاظ جو عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوئے ان کی تذکیر و تانیث کے سلسلے میں اگرچہ ان کے اصلاً مذکر یا مونث ہونے کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے تاہم ایک عام اصول یہ بھی ہے کہ اگر ان الفاظ کے معنی کو ظاہر کرنے والے دوسرے لفظ اردو میں پہلے سے موجود ہیں اور استعمال ہو رہے ہیں یا نئے داخل ہونے والے الفاظ کے مقابلے میں زیادہ معروف اور مروج ہیں تو نئے داخل ہونے والے الفاظ کی تذکیر و تانیث ان میں پہلے سے موجود یا زیادہ معروف الفاظ کے مطابق ہوگی مثلاً "شمس" جو کہ عربی لفظ ہے اصلاً مونث ہے تاہم کیونکہ اس کے مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ "سورج" پہلے سے موجود ہے اور مذکر استعمال ہوتا ہے اس لیے "شمس" کو

بھی اردو میں مذکر ہی استعمال کیا جائے گا یا جیسے "اصل" عربی لفظ ہے اور مذکر ہے مگر کیونکہ اس کے مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ "جڑ" اردو میں مونث استعمال ہوتا ہے اس لیے "اصل" کو اردو میں مونث ہی بولا جائے گا۔ خود "کتاب" کا لفظ حالانکہ اصلاً عربی اور مذکر ہے لیکن اردو میں مونث استعمال ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر نیا داخل ہونے والا لفظ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی تذکیر و تانیث ان الفاظ کے مطابق ہوگی جو اردو میں الگ الگ ان معنوں کو ظاہر کرنے کے لیے پہلے سے مستعمل ہیں یا مقابلتاً زیادہ معروف ہیں۔ اس طرح ایک ہی لفظ اپنے مختلف معانی کے اعتبار سے کبھی مذکر استعمال ہوگا کبھی مونث۔ مثال کے طور پر "آب" فارسی کا لفظ ہے اس کے معنی جہاں "پانی" ہیں وہاں "دھار"، "کاٹ" اور "چمک دمک" کے بھی ہیں اس لیے اردو میں ہم جب "آب" کو "پانی" کے معنی میں استعمال کریں گے تو مونث بولیں گے (موتی کی آب، تلوار کی آب) یا مثال کے طور پر "عین" عربی لفظ ہے اور مونث ہے اور اس کے معنی چشمہ، آنکھ وغیرہ کے لئے ہیں۔ اردو میں جب ہم اس لفظ کو چشمے کے مفہوم میں بولیں گے تو مذکر اور جب آنکھ کے مفہوم میں بولیں گے تو مونث استعمال کریں گے۔ اردو میں ایسے کتنے ہی لفظ ہیں جن کی تذکیر و تانیث اس طرح ان کے معنی کے تابع ہے اور یہ اردو زبان کی خصوصیت ہے۔ تعجب ہے کہ جناب صفدر آہ اس خصوصیت سے بے خبر ہیں۔

"لغت" کے لفظ کا بھی یہی حال ہے۔ اسے جب "لفظ" کے معنی میں بولیں گے تو مذکر اور جب "زبان" (LANGUAGE) "بولی"، "اصطلاح" اور "ڈکشنری" کے مفہوم میں بولیں گے تو مونث استعمال کریں گے۔ "لفظ" کے معنی میں اسے مذکر بولنے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اصلاً یہ مونث ہے تاہم "لفظ" جو "لغت" کے مقابلے میں زیادہ معروف ہے اردو میں مذکر استعمال ہوا ہے اس کے مقابلے کا لفظ "شبد" بھی مذکر استعمال ہوا ہے چنانچہ اگر ہم کسی ضرورت کے تحت اردو عبارت میں انگریزی لفظ "ورڈ" استعمال کریں گے تو اسے بھی مذکر ہی بولیں گے۔ "لغت" کو مذکر بولنا جب اس سے مراد "الفاظ" ہوں اردو میں شائع اور معروف ہے۔ غالب کی تحریریں اٹھا کر دیکھ لیجئے اور غالب ہی پر کیا موقوف ہے اردو میں جس نے بھی اسے استعمال کیا ہے مذکر ہی استعمال کیا ہے۔ اگر کسی نے اسے ان معنوں میں مونث استعمال کیا ہے تو یہ اس کا سہو ہے، خلافِ اصول ہے اور سند نہیں۔ شیخ خوبی کی اس عبارت سے کہ "عربی و فارسی کی لغتیں چاہتا تو بہت سی بھر دیتا" (بحوالہ ہماری زبان یکم اپریل ۹۷ء) یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ میر امن اس لفظ کو "لفظ" کے معنی میں مونث سمجھتے تھے۔

جب "لغت" کو "زبان" اور "بولی" کے معنوں میں بولیں گے تو کیونکہ "زبان" اور "بولی" کے الفاظ مونث استعمال ہوتے ہیں اور "لغت" کے مقابلے میں زیادہ مروج اور مستعمل ہیں اور پہلے سے بھی موجود ہیں اس لیے ان معنوں میں اسے مونث ہی استعمال کریں گے اس طرح اردو میں اس کا مونث استعمال ہونا اس کے اصلاً مونث ہونے سے بھی مطابق ہو جائے گا۔

اسی طرح جب "لغت" کو فرہنگ اور ڈکشنری کے مفہوم میں استعمال کریں گے تو یقیناً مونث استعمال کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں جب سے یہ لفظ فرہنگ کے معنی میں استعمال ہونا شروع ہوا اس سے پہلے سے "فرہنگ" کا لفظ اردو میں بلا اختلاف مونث استعمال ہوتا رہا ہے۔ غالب نے بے شمار جگہ فرہنگ کو مونث استعمال کیا ہے۔ بعد میں دوسرا لفظ اسی مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے جو انگریزی سے منتقل ہوا یعنی "ڈکشنری" اسے بھی مونث استعمال کیا گیا اس کی وجہ صرف اتنی ہی نہ تھی کہ اس کے آخر میں "ی" آتی تھی بلکہ یہ بھی تھی اور غالباً پہلی سے زیادہ وزنی کہ فرہنگ کا لفظ جو اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے اس سے کہیں پہلے سے اردو میں مونث استعمال ہو رہا تھا۔ جناب صفدر آہ کا یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ لفظ "لغت" کی تذکیر و تانیث لفظ "ڈکشنری" کے تابع ہوگی، واقعہ اس کے بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا امور کے علاوہ "لغت" بمعنی ڈکشنری کی تانیث کا ایک قرینہ یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا "لغت" کی اصل شکل "کتاب لغت" یا "لغت" کی کتاب ہے، جس میں بعد میں مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ اگر یہ لفظ اپنی اصل شکل پر برقرار رہتا تو ظاہر ہے کہ تذکیر و تانیث مضاف کے تابع اور اس کے مطابق ہوتی اور اس میں "کتاب لغت" یا "لغت کی کتاب" کو مونث ہی استعمال کیا جاتا۔ اردو زبان کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر مضاف کو حذف کر بھی دیا جائے تو حذف کے بعد بھی تذکیر و تانیث اسی حذف کئے ہوئے مضاف کے متعلق رہتی ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم کہتے ہیں کہ "ہماری زبان" پابندی سے چھپتا ہے تو کیونکہ یہاں "ہماری زبان" دراصل "خبر نامہ ہماری زبان" یا "اخبار ہماری زبان" کا اختصار ہے اس لیے ہم "ہماری زبان" کو باوجود مونث ہونے کے مذکر استعمال کرتے ہیں یا جب کہتے ہیں کہ "شمع" شائع ہوا یا نہیں تو کیونکہ مطلب ہوتا ہے "رسالہ شمع" اس لیے "شمع" کو باوجود مونث ہونے کے مذکر بولتے ہیں یا جب یہ کہا جاتا ہے کہ "تنقیدی نظریات" عجیب چھپی ہے تو کیونکہ اس سے مطلب "کتاب تنقیدی نظریات" ہوتا ہے اس لیے اسے مونث بولتے ہیں۔ ایسی کتنی ہی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مضاف کو حذف کرنے کے بعد بھی تذکیر و تانیث مضاف ہی کے مطابق رہتی ہے۔ چنانچہ "لغت" کی تذکیر و تانیث بھی حذف کئے ہوئے مضاف "کتاب" کے تابع ہوگی اور اسے مونث بولا جائے گا۔

(باقی آئندہ)

غزلیں

زبیر احمد فاروقی

فرصت کبھی ملے جو غمِ روزگار سے　　کچھ دل کی بات ہم بھی کریں چشمِ یار سے
ہم کیا بتائیں حالِ شگفتِ چمن ندیم　　ہم کو تو چند خار ملے ہیں بہار سے
اٹھا ہے کون محفلِ ساقی سے تشنہ کام　　برسی ہے آگ دامنِ ابرِ بہار سے
آ پہنچے ہیں فریبِ محبت میں ہم زبیر　　ہر ہر قدم پہ گرچہ رہے ہوشیار سے

مہر چند کوثر

دل ترے جور کا نشانہ سہی　　برق کی زد میں آشیانہ سہی
کچھ تو دل کو قرار آئے گا　　تیرا وعدہ فقط بہانہ سہی
میں بھی رکھتا ہوں شوقِ نظارہ　　بے خطا آپ کا نشانہ سہی
ذکر آئے گا بار بار مرا　　یہ فسانہ ترا فسانہ سہی
میں نے دیر و حرم بھی دیکھے ہیں　　اب خمستاں میں ٹھکانہ سہی
بندگی کے رموز جانتا ہوں　　میں تیری طرح پارسا نہ سہی
کچھ تو دیدو صلہ وفاؤں کا　　بے وفائی سہی، وفا نہ سہی
مسکراتے رہیں گے ہم کوثر　　تاک میں گردشِ زمانہ سہی

رئیس نعمانی الہ آبادی

زندگی کو وہ تمنا ہی نہ ہو　　عقل فرہاد کا تیشہ ہی نہ ہو
قولِ ناصح تو بجا ہے لیکن　　وہ بھی حالات کا مارا ہی نہ ہو
دیکھئے آپ کے زیرِ دیوار　　کوئی ناکام تمنا ہی نہ ہو
کیا دیا جائے حریفوں کو جواب　　بات کا جن کو سلیقہ ہی نہ ہو
دل کو ویرانہ تو کہئے ہو رئیس　　کوئی اس نگری میں بستا ہی نہ ہو

ہوش نعمانی

روش روش مسکرا رہی ہے، فضائے گلشن مہک رہی ہے
یہ میں نے کیا کہہ دیا جنوں میں، خرد مرے منہ کو تک رہی ہے
سوال یہ ہے "رہِ وفا" میں اگر کوئی دلکشی نہیں ہے!
تو کیوں یہ دار و رسن کے شانوں پہ زلفِ جرأت جھک رہی ہے
یہ ماہتابی خنک اجالے، یہ شبنمیں رات کی خموشی
یہ کس کی سنجیدگی ہے رقصاں، یہ کس کی شوخی کھنک رہی ہے
پتہ یہ چلتا ہے گلستاں میں کسی نے پھر حق کی بات کہہ دی
وہ آسماں سرخ ہو رہا ہے، وہ آگ سی پھر دہک رہی ہے
شبِ فراق آج یوں سنور کر خیال بج دھج کے آ گیا ہے
کہ جیسے کومل سی کوئی دلہن دریچے کو تک رہی ہے
ابھی تو تم نے خود کہا ہے، ابھی تو تم ہوش کہہ رہے ہو!
جنوں کی وادی میں لغزشوں سے آج قدم جو بہک رہی ہے

------x ❖ x------

موڑ

سورج تنویر

وقتِ آلام و مصائب رہا جینا اپنا
جبر و پیکار سے دامن نہ بچایا ہم نے
عمر بھر گردشِ ایام کے نرغے میں رہے
زندگی بارشِ آلامِ مسلسل میں کٹی
کٹی وہ ادبار کی قدغن کہ حصارِ آفات
راہ میں سیکڑوں دشوار مراحل آئے
کتنے پیکانِ حوادث تھے ترازو دل میں
تیغِ آشوب کے ہر وار پہ لبیک کہا
ہاں! بہ ایں جذبۂ پامردی و ثباتِ قدمی
موجِ طوفان و تلاطم سے الجھنے والا
جب کوئی دوست رہِ شوق کا دیرینہ رفیق
چھوڑ کر ساتھ بدل لیتا ہے اپنا رستہ
دور تک جس پہ کہیں سایۂ اشجار نہ ہو
ذہن میں کروٹیں لیتی ہیں پرانی یادیں
آج پھر زیست میں اک ایسا ہی لمحہ آیا

سر سے ہر لمحہ غمِ دہر کے طوفاں گزرے
عرصۂ دار سے گزرے تو غزل خواں گزرے
پھر بھی جھکنے نہ دیا عزم کا پرچم ہم نے
شعلۂ شوق نہ ہونے دیا مدھم ہم نے
جو بنی پاؤں کی زنجیر وہ توڑی ہم نے
اپنی مستانہ خرامی نہیں چھوڑی ہم نے
بسرِ فریاد مگر لب نہ ہلائے ہم نے
زخم جو کھائے وہ ہنستے ہوئے کھائے ہم نے
ایسے لمحات بھی گزرے ہیں کہ دل ٹوٹ گیا
اک حباب لبِ ساحل کی طرح پھوٹ گیا
توڑ کر عہدِ وفا، وعدہ و پیماں، قسمیں
بھول جاتا ہے رفاقت کی پرانی رسمیں
زندگی ایسا بیاباں نظر آتی ہے
اپنی تنہائی دل حد سے گزر جاتی ہے
جب نئے موڑ پہ اک دوست نے رستہ بدلا

خزاں

علی عباس امید

گھٹے گھٹے سے در و بام، ادھ کھلی کلیاں
خرد کی راہگذر پر جنوں کا سیلِ رواں
نصیبِ وقت کے سائے میں آرزو حیراں
امید مہر بہ لب، چشمِ آشتی گریاں
سہانے خواب کی آنکھوں سے دل کا رنگ عیاں
دریچات پہ یکسر ہجومِ تشنہ دہاں
ہر ایک روح کے مرقد پہ زیست نوحہ کناں
نگارِ کیف کی زینت ہے گریۂ پنہاں
ہر ایک سانس مسلط ہے مثلِ کوہِ گراں
اسیرِ حلقۂ دہشت ہر ایک عروس زباں
ہر اک خیال رسن بستہ، آبرو عریاں
دیارِ حسن میں ہر سو بجائے شعلہ دھواں
کہیں پہ معرکۂ جاں، کہیں پہ سوزِ نہاں
وفا کی بزم میں بھی صرف تیرگی ارزاں
ہوس میں زیست کے ٹھہرے شکستہ دل انساں
رہِ سکوں میں حائل ہزار ہا طوفاں
ہر ایک پھول فسردہ، کلی کلی لرزاں
بہار پھیر گئی ہے چمن پہ رنگِ خزاں

ویریندر پرشاد سکسینہ

مرزا غالب کی وفات پر

تین ہندو اساتذہ سخن کے قطعات تاریخ وفات

مرزا غالب کی وفات پر اگر ان تمام مرثیوں اور قطعات تاریخ وفات کو جمع کیا جائے جو مرزا کی وفات کے بعد ان کے ہمعصر شاعروں اور مرزا غالب کے شاگردوں نے لکھے ہیں تو پچاس صفحات کی ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مرزا کے ہمعصر ہندو شاعروں اور مرزا کے ہندو تلامذہ نے بھی ان کی وفات پر قطعات تاریخ وفات اور مرثیے لکھے ہیں۔ اس وقت منشی ہرگوپال تفتہ، منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی اور منشی بالمکند بے صبر کے قطعات تاریخ وفات پیش کر رہا ہوں اگر فرصت ملی تو پندرہ بیس شاعروں کے اور قطعات تاریخ وفات اور مرثیے مرزا کی وفات پر پیش کروں گا۔

منشی ہرگوپال تفتہ کو اپنے استاد مرزا غالب سے والہانہ عقیدت تھی اپنی "تضمین گلستان" کے دیباچہ میں تفتہ نے فرمایا ہے۔

خصوصاً میرزائے نکتہ زائے	چمن طبع گل رنگیں ادائے
نیستان سخن را طرفہ شیرے	اسد لیعنی بہ ہر میدان دلیرے
قصائد زد چنانکش دید باید	گل از باغ غزل ز اچید باید
رباعی اگر شورش چار سو است	اگر باور نداری روبرو است
چہ غالب ہم نوائے قیصر و جم	چہ غالب میرزائے قیصر و جم
بہ اہل فارسی غالب غالب ما	بہ ازوق ولاقب غالب ما
چہ گویم تا چہ رحمت کرد با من	وگرنہ کو جناب او کجا من

تفتہ نے اردو میں کوئی دیوان اپنی یادگار نہیں چھوڑا صرف ایک قطعہ تاریخ وفات اپنے استاد کی وفات پر اردو میں نظم کیا ہے۔ تعجب ہے کہ تفتہ نے مرزا کی وفات پر صرف ایک قطعہ تاریخ لکھا معلوم ایسا پڑتا ہے کہ مرزا کی وفات سے ان کی طبیعت بجھ گئی تھی اور چند ہی سال مرزا کی وفات کے بعد زندہ رہے قطعہ ملاحظہ فرمایئے۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے
ہم سے ہزار ہیچ مداں نامور ہوئے
فیض وکمال وصدق وصفا اور حسن وعشق
چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی سے مرزا غالب کے دوستانہ تعلقات تھے اور مرزا غالب جب پہلی بار رام پور تشریف لائے تھے تو سحر صاحب ان سے ملنے کے لیے رام پور گئے تھے۔ سحر صاحب کے دیوان "سحر سامری" میں غالب کی وفات پر تین قطعات تاریخ وفات ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات نواب اسد اللہ خاں بہادر غالب دہلوی

حیف کہ غالب زجہاں رخت بست
بود یکے شاعر باعلم و فضل
مرد چو او انجمہ بیجان شدند
شعر و سخن نثر و ہنر علم و فضل

۱۲۸۵ھ

ایضاً

تھا شاعر نامی یہی اب دنیا میں
افسوس یہ ہے کہ مر گیا غالب بھی
ہے تحریر یہ مصرع سحر بے لب جاری
دنیا سے آج چل بسا غالب بھی

۱۲۸۵ھ

ایضاً

مر گیا غالب جو لاثانی تھا شاعر ہند میں
لے گیا دنیا سے دل سے حسرتیں کیا کیا دریغ
فکر میں اسے سحر میں بیٹھا ہوا تھا نا گہاں
یہ ندا آئی فلک سے وائے وا ویلا دریغ

۱۲۸۵ھ

منشی بال مکند بے صبر مرزا تفتہ اور مرزا غالب سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے بے صبر نے غالب کی وفات پر تاریخیں کہی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

ہماں میرزا غالب استاد من	بجاں آفریں جاں چو آخر سپرد
بہ پرسیدم از دل من رحلتش	بنالید و گفت آہ غالب بمرد

۱۲۸۵ھ

اسد اللہ خاں وہ غالب آہ	جن سے اہل کلام تھے مغلوب
جب سدھارے ہوئے خلد بجے	سخن ان کے الم میں سینہ کوب
اس سخن کے اختر کا	ہوا جیسے آفتاب ہند غروب

۱۸۶۹ء

مراسلہ

سردار جعفری کی ساقط الوزن غزل کے بارے

ہماری زبان مورخہ ۱۵ دسمبر ۷۶ء میں سردار جعفری کی ایک مطبوعہ غزل کا احتساب انجمن آرا انجم نے کیا ہے جس میں انھوں نے سات شعر کی پوری غزل کو ارکان کی بے ترتیبی کے باعث ساقط الوزن قرار دیا ہے اس پر ۲۲ مارچ ۷۷ء کے ہماری زبان میں شفا گوالیاری نے اس غزل کو قائم الوزن سمجھتے ہوئے جواب دیا ہے اور اس کے جواز میں میر تقی میر کا ایک مطلع اور یگانہ چنگیزی کے دو شعر مع تقطیع پیش کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ آیا ان غزلوں کو ساقط الوزن سمجھا جائے اگر نہیں تو سردار جعفری کو بھی نجات دی جائے؟

میں نے بحر متقارب مثمن المضاعف میں بہت سوں کو غوطے کھاتے دیکھا ہے۔ کیا شاعر کو ایسی بحروں میں شعر کہنا ضروری ہے جن میں وہ موزوں نہ کہہ سکے۔ غالب ہوں کہ یگانہ چنگیزی فراق ہوں کہ سردار جعفری اگر ان کے یہاں عروضی غلطی پائی جاتی ہے تو وہ ہرگز درگزر کرنے کے قابل نہیں میر کا یہ مطلع تقطیع کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
فعلن فعلن فعلن فعلن فعلُ فعولن فعلن فع

جانِ نجانے گُل ہی نجانے باغ تو سارا جانے ہے
فعلُ فعولن فعلُ فعولن فعلُ فعولن فعلن فع

پتا پتا بروزن فعلن فعلن ہونا چاہئے۔ یہی صحیح ہے شفا صاحب نے اس کو بروزن فعلُ فعلُ غلط لکھا ہے۔ انھیں فعلُ اور فاع (بسکون عین) کا فرق بھی نہیں معلوم۔ انھوں نے باغ کے غین کو حرف وقت سمجھ کر فاع لکھ دیا۔ حالانکہ اصول تقطیع یہ ہے کہ حرف وقت یعنی دوسرا ساکن عروض و ضرب کے علاوہ تقطیع میں ہمیشہ متحرک ہو جاتا ہے۔ فاع تو مختص بہ عروض و ضرب ہے۔

شفا صاحب مزاحف ارکان کو بحر سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "بحر متقارب کا رکن فعولن ہے اور اس ایک وزن سے آٹھ زحافات کے اوزان بنتے ہیں اور انھیں زحافات کے تعلق و مناسبت سے بحر کا نام بدل جاتا ہے۔ متقارب نہیں رہتا" انھوں نے فعولن کے ارکان مزاحف بھی غلط اور کم لکھے ہیں۔ انھیں یہ خبر نہیں کہ رفع کیا بلا ہے؟ یہ زحاف تو مستفعلن اور مفعولاتُ کے علاوہ اور کہیں آتا ہی نہیں۔ بے شک زحاف بتر سے فع بنتا ہے مگر فاع کو گول کر گئے کہ یہ کس طرح بنتا ہے آخر میں فعلان کو انھوں نے مسبغ لکھا ہے۔ یہ کچھ سر پھرے عروضیوں کی کتابوں میں لکھا ہے۔ محیط الدائرہ، معیار الاشعار (محقق طوسی) یا قواعد العروض سے ثابت کریں تو مانیں۔

شفا صاحب نے یگانہ چنگیزی کی ایک غزل کے دو شعر (جو پوری غزل بحث کے ساتھ کہیں علیحدہ چھپی ہے اور جس کی تقطیع خود یگانہ کو کرنی پڑی ہے) پیش کئے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس غزل پر علامہ سحر عشق آبادی اور یگانہ کے درمیان کافی بحث و استفسار رہا ہے۔ بالآخر یگانہ (عروضی) نے اپنی اس غزل کے بارے میں سحر صاحب کو یہ لکھا کہ "غزل کہتے وقت میرے کان میں فرق نہیں آیا۔ ہاں ازروئے عروض میرے پاس کوئی جواز نہیں۔"

یہ بحث ماہنامہ نذرانہ دہلی اکتوبر ۱۹۵۱ء میں چھپ چکی ہے۔ بھلا معترض علیہ غزل کا حوالہ دینا دلیل باطل نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سے تو انجم صاحب کے فرمان کو تقویت ملتی ہے۔

البتہ یگانہ کی اس غزل کے یہ تین شعر ؎

دل سے خدا کا نام لیے جا کام کیے جا دنیا کا
کافر ہو دیں دار ہو دنیا دار نہیں تو کچھ بھی نہیں
محرابوں میں سجدہ واجب جس کے آگے سجدہ حرام
ایسے گنہ گاروں پہ خدا کی مار نہیں تو کچھ بھی نہیں
دل شکنی یا بت شکنی تو پیاسے اب تک یاروں کو
دست یگانہ تیرے گلے کا ہار نہیں تو کچھ بھی نہیں

بحر متقارب میں ازروئے عروض صحیح ہیں۔ بقیہ اشعار میں انھوں نے فعولن۔ فعلن وغیرہ (ارکان بحر متقارب) اور فعلن (بکسر عین) رکن بحر متدارک کا اجتماع کے ساتھ جگہ جگہ استعمال کیا ہے جو صحیح ارکان پر تقطیع نہیں ہو سکتے اور نہ وہ کسی بحر میں ہیں۔

انجم صاحبہ کو کم از کم یہ بات ضرور نظر میں رکھنی تھی کہ سردار جعفری زیادہ تر آزاد نظموں کے شاعر ہیں اس لیے ان کے یہاں عروضی پابندیاں نہ تلاش کرنی چاہئیں مگر بات چل پڑی ہے تو شفا صاحب کے اطمینان کے لیے کچھ اصول لکھنا پڑ رہے ہیں جن کو انھوں نے معلوم بھی کرنا چاہا ہے۔ شعر کے کسی ایک مصرعے کا قائم الوزن ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ شعر کے دونوں مصرعے قائم الوزن نہ ہوں۔

سردار جعفری کی اس غزل کا صرف یہ ایک شعر صحیح وزن میں ہے ؎

دیکھئے دن پھرتے ہیں کب تک دیکھئے کب ملتے ہیں
دل سے دل آنکھوں سے آنکھیں ہاتھ سے ہاتھ اور لب سے لب

اس کے علاوہ باقی چھ شعر ساقط الوزن ہیں۔ انجم کا احتساب بجا ہے صرف مصرع آخر:

حرف حق کے صلیبیں سائے کوئی مسیحا تک آئے اب
فعلن فعلُ فعولُ فعلن فعلُ فعولُ فعولن فع

کی تقطیع اور اس مصرعے کی تقطیع میں شاید سہو قلم ہے۔

سب قا تل ہے سب حق قول ہے سب غلط وہم کا کلام سب
فعلن فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فعلن فعولن فع

"قول ہے" بوزن فعلن غلط لکھا ہے۔ فاعلن بحر متدارک کا رکن سالم ہے جس کا بحر متقارب سے کوئی واسطہ نہیں۔

ذیل میں اب میں وہ اوزان لکھتا ہوں جو شعرا کو اس بحر میں غزل یا نظم کہنے میں مدد دیں گے۔ ایک وزن سے ۸ وزن بذریعہ تسکین اوسط بن سکتے ہیں۔ اگر شاعر مطلع میں اثرم و مقبوض ارکان کا التزام کرلے تو ۸ وزن جائز ہو جائیں گے وہ آٹھ وزن یہ ہیں۔

۱۔ فعل فعولُ فعولُ فعولن ۔ ۲۔ فعلُ فعولُ فعولُ فعولن فعلن
۳۔ فعلن فعلُ فعولن فعلن ۔ ۴۔ فعلن فعلُ فعولُ فعولن
۵۔ فعلُ فعولن فعلُ فعولن ۔ ۶۔ فعلُ فعولن فعلن فعلن
۷۔ فعلن فعلن فعلُ فعولن ۔ ۸۔ فعلن فعلن فعلن فعلن

اگر شاعر نے مطلع میں وزن نمبر ۵ (اثرم و سالم) سے ترتیب رکھی ہے تو صرف ۵ تا ۸ اوزان ہی استعمال کرسکتا ہے اوزان ۱ تا ۴ کسی قاعدے کے تحت نہیں لاسکتا۔

اور اگر عروض و ضرب میں مقبوض و مقصور یا محذوف کا التزام مقصود ہے تو عروض و ضرب میں آٹھ صورتوں سے لاسکتا ہے محذوف و مقصور کا اجتماع جائز ہے۔

(۱) فعولُ فعولْ (۲) فعلُ فعولْ (۳) فعولن فاعْ (۴) فعلن فاعْ (۵) فعولُ فعلْ (۶) فعلُ فعلْ (۷) فعولن فعْ (۸) فعلن فعْ۔

اس التزام کے تحت میر کی اس بحر کی تمام غزلیں آٹھوں گانٹھ چوکس ہیں۔ میں ان اوزان کی ترتیب و تائید میں میر کی مشہور غزل کے مطلع و مقطع کی تقطیع پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میر کی غزل کو مشکوک الوزن سمجھ کر حوالہ دینے والا پہلے میر کے التزام کو تو سمجھ لے۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
میر کے دین و مذہب کو تم پوچھو کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

الٹی ہو گ ءِ سب تد بیرے کچھ نَ دوا نے کا م کیا
فعلن فعلُ فعولن فعلن فعلُ فعولن فعلُ فعل
دیکھا اس بی ماری دل نے آخر کا م تما م کیا
فعلن فعلن فعلُ فعولن فعلن فعلُ فعولُ فعل
میرِ دین و مذہب کو تم پوچھو کا ہو ان نے تو
فعلُ فعولن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع
قشقا کھینچا دیر م بیٹھا کب کا ترک س لام کیا
فعلن فعلن فعلُ فعولن فعلن فعلن فعلُ فعل

میں نے بعض کتابوں میں میر کے اس مطلع (الٹی ہو گئیں سب تدبیریں ۔ ۔ ۔ ۔) کے اوزان صرف فعلُ فعولن لکھے دیکھے ہیں حالانکہ صرف فعلُ فعولن سے دونوں مصرعوں کی تقطیع ہو نہیں سکتی۔ یہ ہے مولف حضرات کی فنِ عروض سے ناواقفیت کی دلیل۔ اسی طرح غالب کا ایک مطلع ہے۔

نالہ پابندِ نے نہیں ہے
زیادہ کی کوئی لے نہیں ہے

اس میں بھی تسکین اوسط کے باعث پہلے مصرع کی تقطیع (مفعولن، فاعلن، فعولن) اور دوسرے مصرع کی تقطیع (مفعولُ، مفاعلن، فعولن) سے ہوگی۔ کسی ایک وزن سے دونوں مصرعوں کی تقطیع نہیں ہوسکتی۔ تسکین اوسط کا عمل عروضیوں کے یہاں جائز ہے۔

امید کہ اس اصول کے تحت شفا صاحب اور دیگر شعرا سردار جعفری کی اس غزل کے ایک شعر کے علاوہ بقیہ اشعار کو ساقط الوزن ہی قرار دیں گے کیونکہ انھوں نے اصولی طور پر بحر متقارب کے مزاحف و سالم ارکان کی صحیح ترتیب کو برقرار نہیں رکھا ہے۔ (رمز آفاقی)

اردو کو علاقائی زبان بنانے سے وزیر اعلیٰ مسٹر چرن سنگھ کا انکار

لکھنؤ۔ یہ بات نہایت انتہائی حیرت انگیز ہے کہ یو پی کے چیف منسٹر نے اب تک سیکٹ وحانک دل کے ۳۳ نکاتی مشترکہ پروگرام کو دیکھا بھی نہیں اور نہ جانے کس انجام وتفہیم پر وزارت سازی کر بیٹھے اردو محافظ دستہ اتر پردیش کے ایک وفد نے جب وزیر اعلیٰ یو پی شری چرن سنگھ سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اور ان کو ایک مطالبہ نامہ پیش کیا تو وزیر اعلیٰ نے وفد کو جواب دیا کہ وہ براہ راست اپنی کابینہ کی جانب سے اردو کو دوسری علاقائی زبان تسلیم کرنے کا اعلان کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ انھیں اس مسئلہ پر اپنی کابینہ کے رفقاء سے مشورہ کرنا ہوگا انھوں نے کہا کہ میں آزاد نہیں ہوں مجھے اس مسئلہ پر حال میں کابینہ کے ممبران سے تبادلۂ خیال کرنا ہوگا۔

(قومی آواز)

انجمن ترقی اردو شاخ بیجاپور کا سالانہ انتخاب

انجمن اسلام بیجاپور ہال میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بیجاپور کا سالانہ انتخابی جلسہ منعقد ہوا۔

پہلے معتمد اعزازی نے سال سابقہ کی رپورٹ حسابات آمدنی و خرچ پڑھ کر سنائی فوراً بعد انتخابی کارروائی شروع ہوئی۔ اور مندرجہ ذیل اصحاب جناب بی۔ یو۔ شیخ اور جناب ایس۔ ایم مینار صاحب کی تحریک و تائید سے باتفاق آرا منتخب ہوئے

اسمائے منتخبہ اراکین مجلس عاملہ

۱۔ جناب پیرزادہ اقبال ہاشمی۔ صدر
۲۔ جناب سید حبیب الدین بخشی۔ نائب صدر
۳۔ جناب معین الدین خطیب وکیل۔ معتمد
۴۔ جناب سید عطار اللہ شش عطار بیجاپوری۔ معاون معتمد
۵۔ جناب جلش رفاعی۔ رکن
۶۔ جناب بیترگی استاد۔ رکن
۷۔ جناب بی۔ ایچ۔ ناگٹھان ″
۸۔ جناب کے بیجے۔ جاگیردار ″
۹۔ جناب دارپا وکیل صاحب انکم ٹیکس ″
۱۰۔ جناب س بیمار بالکلوٹی ″
۱۱۔ جناب تاج بیجاپوری ″
۱۲۔ جناب جے۔ قادر ہونگی ″
۱۳۔ جناب م ابراہیم دربار ″
۱۴۔ پی بی جاگیردار
۱۵۔ مسز ن۔ بہ مقدہ پوش۔ (معین الدین خطیب وکیل)

انجمن ترقی اردو دلی کی ایک ادبی نشست

انجمن ترقی اردو دلی کے زیر اہتمام حال ہی میں جناب قاضی عبد الودود صاحب کے اعزاز میں ایک ادبی نشست منعقد ہوئی۔ صدارت کے فرائض کوثر چاند پوری صاحب نے ادا کئے مالک رام صاحب نے جلسے کے آغاز میں قاضی صاحب کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ قاضی صاحب موصوف تحقیق کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔

تحقیق کا حق قاضی صاحب نے جس طرح ادا کیا ہے اس پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے، قاضی صاحب کے کام کرنے کا انداز یورپ کے مفکرین سے ملتا ہے۔ اردو ادب پر تحقیق کے لیے فارسی پر قدرت بہت ضروری ہے۔ فارسی میں جب تک مطالعہ کافی نہ ہو اردو میں تحقیق تشنہ رہ جاتی ہے۔ قاضی صاحب کی فارسی علم وادب پر گہری نظر ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ قاضی صاحب جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں جب تک ان کی معلومات کافی ہوں۔

قاضی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے فن تحقیق سے سیر حاصل بحث کی اور فرمایا کہ کسی زبان میں بھی تحقیق کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں بتا دینا چاہتا ہوں۔

۱۔ تحقیق کے سلسلے میں کسی انسان کو اپنے حافظے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔
۲۔ ناکافی شہادت پر کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرنی چاہیے
۳۔ اگر کسی موضوع پر آپ راست بازی سے کام نہیں لے سکتے تو اس پر قلم نہ اٹھایئے۔
۴۔ جو بات بھی کہی جائے اس میں وضاحت کی مزید گنجائش نہ رہے۔
۵۔ ایک بڑے ادیب کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحریر میں بہت احتیاط سے کام لیتا ہے۔

قاضی صاحب نے اپنی اور دیگر محققین کی حافظے کے سلسلے میں بہت سی غلطیوں کا اظہار بھی کیا۔

آخر میں کوثر صاحب کی تقریر کے بعد شعرائے کرام نے اپنا کلام سنایا اور حمید سلطان صاحب نے قاضی صاحب و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

اردو لٹریری اسوسیئیشن مدراس کی ادبی نشست

اردو لٹریری اسوسیئیشن مدراس کے زیر اہتمام ایک خصوصی جلسہ پی۔ ایم محی الدین صاحب جلال سرپرست اردو لٹریری اسوسیئیشن مدراس منعقد ہوا۔

فضل العلماء پروفیسر محمد یوسف کوکن ایم۔اے۔ ایم لٹ صدر شعبۂ عربی فارسی اردو مدراس یونیورسٹی نے اس خصوصی جلسے کی صدارت فرمائی۔

صدارتی تقریر کے بعد مولانا سید فضل اللہ صاحب ایم۔اے ایل۔ٹی سابق پرنسپل گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس و اولڈ موجودہ پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے آج سے تقریباً پونے دو سو سال قبل کے آرکاٹ (مدراس) کے ایک عظیم المرتبت شاعر نواب زین العابدین دیوان آرکاٹی پر ایک تحقیقی مقالہ پڑھا۔ آپ نے نواب دیوان آرکاٹی کے متعدد اشعار مع تفصیلات کے سنائے۔ جس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ اہل سیف ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی ہوا کرتے تھے۔ مقالے کے بعد صدر صاحب نے ہمیں اپنے تاثرات سے نوازا۔

حضرت کاوش بدری بی۔اے نے مختصر الفاظ میں حاضرین محفل سے مولانا محمد سعیف کوکن عمری اور مولانا سید فضل اللہ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد ایک غیر طرحی مشاعرے کی نشست کا آغاز ہوا۔ جس میں ذیل کے شعراء نے حصہ لے کر اپنے کلام سے اہل محفل کو محظوظ فرمایا۔

حضرت بلال، حضرت راہی صدیقی، حضرت آثم کرنولی، حضرت کاوش بدری، حضرت گلاب مدراسی، جناب اظہار مدراسی، حضرت فرید مدراسی، حضرت سحاب بختیاری، حضرت کشفی مدراسی۔ مشاعرے کے اختتام پر حضرت راہی صدیقی سکریٹری اردو لٹریری اسوسیئشن مدراس نے معزز مہمانوں اور صدر صاحب مہتمم مشاعرہ، شعرائے کرام اور دیگر حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح یہ کامیاب نشست بحسن و خوبی تمام ہوئی۔

راہی صدیقی معتمد

بہ

اظہار (مدراسی) شریک معتمد

انجمن ترقی اردو پالن پور کا سالانہ انتخاب

۲۹ر اپریل کو حیدرآباد میں منعقد ہوا کا الکشن ہوا جو درج ذیل ہے۔

صدر:۔ ڈاکٹر چھوٹو بھائی نائیک

نائب صدر:۔ حکیم مشکور احمد قریشی (پالن پوری)

" :۔ سید صفدر حسین صاحب قاضی

سکریٹری:۔ جمال الدین صاحب قادری

نائب سکریٹری:۔ پروفیسر انور حسین قریشی صاحب

اراکین:۔ حبیب الرحمٰن غزنوی مدیر آب حیات خالد صاحب۔

ضلعی شاخوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے تھے

(مشکور احمد قریشی)

ہریانہ میں اگر پنجابی کا حق ہے تو اردو کا بھی ہے
راؤ بریندر سنگھ کا بیان

چنڈی گڑھ۔ ہریانہ کے وزیر اعلیٰ راؤ بریندر سنگھ نے آج یہاں اخبار نویسوں سے کہا کہ ان کی حکومت نے مرکز کو لکھا ہے کہ ہندی کو چنڈی گڑھ کے مرکزی علاقہ کی سرکاری زبان بنایا جائے۔

انھوں نے کہا کہ حکومت نے مطالبہ کیا ہے کہ چنڈی گڑھ میں مرکز کی لسانی پالیسی میں تبدیلی کر کے ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت دے دینا چاہئے کیونکہ چنڈی گڑھ دہلی کی طرح ایک مرکزی علاقہ ہے۔

انھوں نے کہا کہ یہ الزام درست نہیں ہے کہ ہریانہ پنجابی دشمن پالیسی اختیار کر رہا ہے۔ اس طرح کے ذہنی اختراعات شرارت انگیز اور بے بنیاد ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ پنجاب کے بعض ذمہ دار لیڈر اس پروپگنڈے میں شریک ہیں جس سے دونوں ریاستوں کے عوام کو نقصان پہونچ سکتا ہے۔

راؤ بریندر سنگھ نے کہا کہ ہریانہ کا وجود اسی مفروضہ پر ہوا تھا کہ یہ ہندی بولنے والی ریاست ہوگی یہاں پنجابی کو صرف دوسری زبان کی حیثیت مل سکتی ہے نہ کہ ہندی کے برابر درجہ۔

انھوں نے کہا کہ اردو بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ پنجابی۔

وزیر اعلیٰ نے سوال کیا کہ آیا پنجاب میں ہندی کو مناسب مقام دینے کی بات سوچی جا رہی ہے۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو راجستھان کی میٹنگ

انجمن ترقی اردو راجستھان کی میٹنگ زیر صدارت راؤ بہادر پنڈت اوتار نراین صاحب بہادر سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم میں منعقد ہوئی۔ یہ عمارت انجمن کی ملکیت اور حال ہی کی تعمیر شدہ ہے۔ اس میٹنگ میں حسب ذیل تجاویز باتفاق رائے منظور ہوئیں۔

۱۔ جناب خان بہادر الحاج الطاف احمد صاحب خیری کا استعفا پیش ہوا جو بصد افسوس و رنج منظور ہوا۔

خان بہادر صاحب موصوف کی مساعی جمیلہ اور کوشش ہائے جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے صاحب موصوف کی سبکدوشی کو انجمن کی بدقسمتی سے تعبیر کیا گیا۔ اور آپ کی رہنمائی و شخصیت کے باعث جو کچھ خدمات یہ انجمن انجام دے سکی اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا گیا اس کے بعد بالاتفاق جناب راؤ بہادر پنڈت اوتار نراین صاحب بہادر نائب صدر انجمن ہذا کو مستقل صدر تسلیم کیا گیا۔

صدارت کے لیے نواب محمد عبدالباقی خان صاحب

کو بالاتفاق منتخب کیا گیا۔

سوانی جے منگو اردو ریڈنگ کے انتظام کے لیے ایک سب کمیٹی کی تشکیل کی گئی جو جملہ انتظامات کی بابت ۱۴ مئی کو اپنی میٹنگ منعقد کرے گی۔

آخر میں مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن کا استعفار بوجہ خرابی صحت پیش ہوا۔ ممبران نے اس حقیقت کو متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ ان کی صحت واقعی بہت خراب ہو چکی ہے اور ان کو آرام کی ضرورت ہے مگر مفاد انجمن اسی میں ہے کہ وہ خود دیکھ دیکھ کریں اور اپنی نگرانی میں اپنے معاونین سے ہی کام لے لیا کریں۔

انجمن نے آپ کی امداد کے لیے جناب ماسٹر محمد عبدالسلام صاحب بی۔اے ادیب کامل کو نامزد کیا جنھوں نے یہ خدمت منظور کی۔

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو رانچی کا جلسہ

مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو رانچی کا ایک اجلاس زیر صدارت جناب مولانا مشتاق صاحب قاسمی انجمن بلڈنگ اردو رانچی میں منعقد ہوا اور کثرت رائے سے ایک سب کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ اس بات کی تحقیق کرے کہ گورنمنٹ سرکلر کے مطابق سرکاری و غیر سرکاری اسکولوں میں طالب علموں کو مادری زبان کے ذریعے تعلیم دی جا رہی ہے یا نہیں جن اسکولوں میں ایسا نہیں ہو رہا ہے وہاں وہ اس کے نفاذ کی کوششیں کرے۔

سب کمیٹی کے ممبران کے نام یہ ہیں۔

(۱) جناب پروفیسر ابوذر عثمانی صاحب

(۲) جناب مولانا غنی صاحب

(۳) جناب عاشق الٰہی صاحب

(۴) جناب لئیق صاحب

(۵) جناب سمیع اللہ صاحب شفق

(جلال الدین احمد ایم۔اے صدر انجمن ترقی اردو رانچی)

انجمن ترقی اردو ہند شاخ کلٹی بردوان کا سالانہ انتخاب

اسٹاف ممبران انجمن ترقی اردو ہند شاخ کلٹی ضلع بردوان مغربی بنگال کے ممبروں کی ایک میٹنگ زیر صدارت جناب محمد اقبال اکرانی صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ امروز کلکتہ منعقد ہوئی موصوف صوبائی کمیٹی کی طرف سے انجمن کے کارگذاریوں کا جائزہ لینے اور انتخاب امور میں مدد دینے کے لیے کلٹی اور اطراف کلٹی کے دورہ پر تشریف لائے تھے اراکین انجمن نے معزز مہمان کا شاندار استقبال کیا۔ اور ان کی نگرانی میں حلقہ کا انتخاب عمل میں لایا۔ آپ نے انجمن کے کاموں کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا۔

ذیل کے حضرات متفقہ طور پر انجمن کے عہدیدار۔ اراکین اور کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱۔ صدر۔ مسٹر سکھ بخش ہندو پادھیا (ڈپٹی بانی اسکول)

۲۔ نائب صدر۔ جناب مولوی ممتاز احمد صاحب کیسری۔ جناب محمد افضل بابو صاحب، جناب ولایت حسین صاحب کنور کمپٹر

۳۔ جنرل سکریٹری۔ جناب شمس الضحیٰ احمد ضیا ۴۔ جوائنٹ سکریٹری جناب خورشید صاحب جناب اسماعیل صاحب شارق، جناب شمس الضحیٰ ۵۔ نشر و اشاعت عبدالمجید صاحب انصاری، جناب محمود عالم صاحب، جناب ہیرالال یادو اور اس کے علاوہ ۱۶ اراکین مجلس انتظامیہ ضلع کے لیے منتخب ہوئے۔

(محمود عالم سکریٹری نشر و اشاعت)

ریاست کے ۲۰ لاکھ افراد کو مادری زبان کی سہولت نہ دینا کیا جمہوریت کے انصاف کی رو سے ہے

لکھنؤ: پنڈت آنند نرائن ملا ایم۔ پی نے آج یہاں کہا کہ میرا مطالبہ ہے کہ حکومت کو اپنی تعلیمی پالیسی اس طرح بنانا چاہیے کہ تمام بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت حاصل ہو اور اس بڑے طبقے کو جو اردو داں ہے اور جس کی تعداد سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ریاست میں ۲۰ لاکھ ہے اپنی درخواستیں اردو میں گزارنے کے پورے مواقع حاصل ہونا چاہیے۔

جناب ملا نے جو آج یہاں پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کر رہے تھے کہا کہ میں کسی بھی صورت میں ایسے لسانی فارمولے کو پسند نہیں کرتا جس میں سنسکرت اردو پر سنسکرت کو فوقیت حاصل ہو۔ جناب ملا نے لکھنؤ کے ایک انگریزی روزنامہ میں اردو اور ہندی کے تنگ پرچے پر ہوئی بحث سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا کہ وزیر تعلیم کا بیان مبہم ہے اگر وہ اس بات کو صاف کر دیں کہ ابتدائی درجوں میں بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے اور ہندی کے جاننے والے لوگوں کو جو اردو داں ہیں سرکاری کاموں کے سلسلے میں اردو میں درخواستیں گزارنے کا حق حاصل ہے تو پھر مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مدارس جہاں زیادہ تعداد ہندی والوں کی ہے وہاں تو بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے اردو کی تعلیم کی تمام سہولتیں حاصل ہوں لیکن لکھنؤ جو اردو کا گہوارہ ہے وہاں ایسی سہولتیں نہ ہوں۔

انھوں نے کہا کشمیر میں تو اب اردو کو اس کا جائز حق دیتے ہیں لیکن یہ بات اتر پردیش کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ جناب ملا نے کہا کہ کوئی بھی شخص ہندی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ قومی زبان ہے لیکن خود سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اتر پردیش میں ۲۰ لاکھ افراد کی مادری زبان اردو ہے تو پھر اتنے بڑے طبقے کو اس کی زبان میں ترجمانی کا حق کیوں نہیں دیا جاتا۔ انھوں نے کہا اردو کے سوال سے قومی یکجہتی کا سوال وابستہ ہے اس لیے اتنی بڑی اکثریت کو ناراض کرنا یا اس کے سوالات پر توجہ نہ دینا قومی یکجہتی کو کمزور بنانا ہے انھوں نے کہا کہ قومی یکجہتی کی رپورٹ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اردو کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ (قومی آواز)

تبصرہ

مختار الدین احمد

دیوان فائز

مرتبہ:۔ ڈاکٹر خواجہ افضل امام

صفحات:۔

ملنے کا پتہ:۔ دار الادب، بہارستان پٹنہ ۴

دار الادب پٹنہ کے سلسلۂ مطبوعات کی پہلی کڑی دیوان فائز ہے جو سید شاہ نذیر الحق فائز پھلواروی (۱۲۵۹-۱۳۲۳ھ) والد ماجد حضرت تمنا عمادی مجیبی کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے جسے ڈاکٹر خواجہ افضل امام نے دیوان کے دو قلمی نسخوں اور متعدد بیاضوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے سلیم تہرانی کی زندگی و تصانیف پر تحقیقی مقالہ لکھ کر جامعۂ پٹنہ سے فارسی میں ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے اور اب وہ یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات کے نگراں ہیں۔ وہ پٹنہ کے قریب ایک مردم خیز قصبہ پھلواری کے رہنے والے ہیں اور حضرت فائز پھلواروی سے ان کا خاندانی تعلق ہے اس لیے وہ دیوان فائز کی ترتیب کے کام کے لیے ہر طرح موزوں تھے اور انھوں نے یہ دیوان شایع کرکے ایک کمی کو پورا کیا ہے۔

خواجہ صاحب کا تحریر کردہ مقدمہ بہت تفصیلی ہے جس میں انھوں نے حضرت فائز کے نسب و خاندان، ولادت و مولد، تعلیم و تربیت، اساتذہ اعلیٰ اور دوسرے ضروری حالات زندگی سے بحث کی ہے پھر ان کی تصانیف کا ذکر ہے۔ مقدمے کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں انھوں نے پھلواری اور عظیم آباد کے ادبی و شعری ماحول کی تصویر کشی کی ہے اور ان حضرات کا ذکر کیا ہے جو فارسی اور اردو میں شعر گوئی کیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے معاصرین کے حالات محنت سے لکھے گئے ہیں ان میں شاہ امین احمد ثبات (متوفی ۱۳۲۱ھ) شمس العلماء محمد سعید حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۰۴ھ) حکیم عبد الحمید پریشان عظیم آبادی (م ۱۳۰۶ھ)، مرزا فرزند علی خاں یکتا (م ۱۲۸۸ھ) نسیم دہلوی (م ۱۳۰۴ھ) صوفی منیری شاگرد غالب (م ۱۳۱۸ھ) اکبر دانا پوری (م ۱۳۰۴ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان کے پھلواری کے قابل ذکر معاصرین میں قاضی مخدوم عالم (م ۱۳۰۲ھ) شاہ شرف الدین شرف (م ۱۲۸۹ھ) شاہ وصی احمد وصی (م ۱۲۹۲ھ) شاہ احمد کبیر حیرت ہیں۔ مرتب نے ان سب کے حالات زندگی لکھے ہیں اور ان کے اشعار کا انتخاب درج کیا ہے۔

معاصرین شعرا کے اس اجمالی تذکرے سے بقول مرتب "اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ فائز کی شاعری کس مناسب فضا میں پروان چڑھی اور ان کے دل میں یہ فطری جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہوگا کہ اس بزم شعرا میں وہ بھی اپنا ایک نمایاں مقام مقرر کریں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی الگ راہ نکالی اور اظہار جذبات کے لیے لطف زبان کے ساتھ محاورات کو اپنایا چنانچہ فارسی مصطلحات اس کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ خود اس دیوان کے محاورات فارسی کا ایک مختصر رسالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔" فاضل مرتب نے اپنے مقدمے کے آخر میں ان مصطلحات کی الفبائی فہرست درج کر دی ہے جو فائز کے کلام میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔

یقین ہے دار الادب کی اس پہلی پیش کش کو قبول عام حاصل ہوگا اور فاضل مرتب ان اہم مخطوطات کی طرف بھی توجہ کریں گے جو کتب خانہ خدا بخش بانکی پور اور دوسرے ذاتی ذخیروں میں محفوظ ہیں اور ہر طرح قابل اشاعت ہیں۔

مالک:۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شایع کیا